مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کی جدوجہد

اور

قانون ساز اداروں میں داخلہ

آئین کے حلف پر اعتراضات کا مدلل جواب

از

خواجہ علی محمد نایک - جنرل سکریٹری

آل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

کوہ نور پریس سرینگر

مسئلہ کشمیر کے لئے جدوجہد اور آئین کا حلف

ناپختہ شعور

دنیا کی کئی دوسری سیاسی تحریکوں کی طرح کشمیر میں ہماری سیاسی تحریک کی بھی اپنی خوش قسمتیاں اور بد قسمتیاں ہیں۔ جہاں قائد اعظم شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور ان کے سر برآوردہ رفیقوں کی طاقت بخش اور کوہ شکن رہنمائی اس تحریک کی قابل رشک خوش قسمتی ہے وہاں ہمارے عوام میں تعلیم کی کمی اور کارکنوں میں سیاسی تربیت اور شعور کا فقدان نہ صرف بد قسمتی کی بات ہے بلکہ تحریک کے لئے مصیبت ہے۔

ہمارے لوگوں میں تعلیم عام نہ ہونے کی وجہ سے ان کی رسائی اچھے سیاسی لٹریچر اور سنجیدہ اخبارات تک نہیں ہو سکتی اور پختہ سیاسی شعور رکھنے والے سیاسی کارکنوں کے قحط کی وجہ سے روز مرہ کے پیش آنے والے نئے نئے معاملات کے بارے میں جب لوگوں کی تشنگی دور کرنے کو سیاست کے صاف و شفاف چشموں کا پانی نہیں ملتا تو وہ ذہنی پیاس سے مجبور ہو کر زہر آب کو آب حیات

سمجھ کر بی جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ اُن کے سیاسی شعور کی ہلاکت کی صورت میں برآمد ہوتا ہے۔

لاحاصل بحثیں

اس افرانفری کی ایک تازہ مثال ہے۔ انتخابات کے سلسلہ میں وہ دعوے اور دلیلیں جس پر وادیٔ کشمیر کے سیاسی حلقے آجکل دماغ سوزی کر رہے ہیں۔ خاص کر محاذ رائے شماری کے بعض کارکن جنہوں نے الیکشن میں حصہ لینے یا نہ لینے کے سوال کو اتنا طول دیا کہ ۱۹۶۶ کا سارا سال اس بے کار بحث پر صرف کر ڈالا اور کسی متفقہ فیصلے کے قریب بھی نہ پہنچ سکے۔ محاذ رائے شماری کے جو چند افراد انتخابات میں حصہ نہ لینے کے طرفدار تھے اگر ان کے مختلف دعوؤں اور دلیلوں کا تجزیہ کیا جائے تو وہ نہایت ہی افسوسناک تضادات کا مجموعہ ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً یہ حضرات انتخابات میں حصہ نہ لینے کے لئے جہاں کشمیر کے رہنماؤں کے قید و بند میں ہونے، حکومت وقت کے سخت گیرانہ رویے اور انتخابی مشینری کے طرفدارانہ طرز عمل وغیرہ کو بطور حجت پیش کرتے ہیں وہاں یک دم یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ "ہم اس لئے انتخاب میں حصہ لینے کے خلاف ہیں کہ امیدوار کو ہند کے آئین کا حلف لینا ہوگا!" کوئی پوچھے کہ جب مستقبل قریب میں خدا نے چاہا تو ہمارے رہنما آزاد ہو جائیں گے اور قوم اپنی یک جہتی کی طاقت سے جب دوسری

مشکلات پر قابو پا کر انتخاب میں حصہ لینے کے قابل ہو جائے اور
انتخاب میں یقیناً حصہ لے گی تب تو آئین کا حلف لینا ہی ہوگا۔
آج تم جب عوام کو "آئین کے حلف" کے نام سے جذباتی بنا رہے
ہو، اس وقت وہ تم سے پوچھیں گے کہ "تمہاری انتہا پرستانہ
پرہیزگاری اور تقدس کا کیا حال ہے؟" تو تمہارا جواب
کیا ہوگا۔ اگر تم سے کسی میں سیاسی شعور ہے تو وہ سوچ
سکتا ہے کہ آئین کے حلف جیسی رسمی بات پر سیدھے سادے
لوگوں کو بھڑکا کر تم لوگ اپنے ہی راستے میں کانٹے
بو رہے ہو اور آج جو کچھ بیج گئے وہ کل کو کاٹنا ہوگا۔

حلف آئین کی سیاسی حیثیت

میں چاہتا ہوں کہ یہ حقیقت عوام پر واضح
کر دوں کہ ہماری سیاسی جدوجہد خاصکر
وہ پُرامن اور آئینی سیاسی جدوجہد
جس کا ہم کو محاذ رائے شماری کے آئین،
اساسی نے پابند بنا رکھا ہے۔ عام فہم اور مبنی بر حقائق جدوجہد
ہے۔ اس جدوجہد کے راستہ میں انتخابات لڑنا اور آئین کا
حلف لینا رکاوٹ نہیں بنتا۔ ہمارے لئے جو لوگ جدوجہد
آزادی کے پیشوا ہیں جن کا طرز عمل ہمارے لئے نمونہ ہے
اس معاملہ میں ان کا طور طریقہ ہم کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے
نصب العین کے لئے اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں کے باہر جس

موقف کی اشاعت کرتے تھے اسی کو لے کر قانون ساز اداروں کے اندر داخل ہوتے تھے اور وہاں اپنی جدوجہد کے لیے ایک نیا سٹیج بنا لیتے تھے اور اس سلسلہ میں وہ آئین وقت کا مروج حلف بھی لیتے تھے جو اکثر اوقات شخصی حکمران کی وفاداری کا حلف ہوتا تھا لیکن وہ اس کاروائی کو اپنی جدوجہد آزادی میں رکاوٹ نہیں سمجھتے تھے۔ حسب ذیل چند مثالوں سے یہ بات مزید واضح ہو جائے گی۔

حلف اور جدوجہد میں منافات نہ ہونے کی مثالیں

مثال نمبر ۱۔ آج سے بیس سال پہلے تک آج کے ہندوستان اور پاکستان یعنی پورے برصغیر پر انگریزی حکومت کا تسلط تھا۔ وہاں صوبائی اسمبلیاں اور مرکزی اسمبلی کونسل وغیرہ ادارے تھے جن کا ممبر منتخب ہونے والے کو انگریز بادشاہوں کی وفاداری کا حلف لینا ہوتا تھا جس کو کہتے تھے "ملکہ معظمہ کی وفاداری کا حلف"۔ انڈین کانگرس، آل انڈیا مسلم لیگ اور کئی ایک دوسری تنظیمات ملک میں انگریزی راج سے آزادی کے لیے جدوجہد کرتی تھیں لیکن انتخابات میں یہ سب جماعتیں

حصہ لیتی تھیں اور اُن کے چوٹی کے لیڈر مسلم لیگ کے قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ اور کانگریس کے آں جہانی پنڈت موتی لال وغیرہ منتخب ہوکر اسمبلیوں میں جاتے تھے اور ملکۂ معظمہ کی وفاداری کا حلف اُٹھاکر بھی اسمبلی کے سٹیج سے ملک کی آزادی کی جدوجہد کو جاری رکھتے تھے ان کو یا دنیا کے کسی قانون دان کو وفاداری کا حلف اٹھانے میں اور آزادی کی جدوجہد جاری رکھنے میں کوئی تضاد محسوس نہیں ہوتا تھا۔

مثال نمبر ۲ - انگریزی راج سے برصغیر ہند کو ۱۹۴۷ء میں نجات حاصل ہوئی اور اس نجات کے نتیجہ میں ہندوستان اور پاکستان کی دو بڑی آزاد مملکتیں عالم وجود میں آگئیں۔ مگر جہاں تک ریاست جموں وکشمیر کا سوال ہے وہ متنازعہ فیہ رہ گیا۔ قائد اعظم شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور اس کے ساتھیوں نے کشمیر کے سوال کو طے کرنے کے لئے عوام کے حق خودارادیت کی حمایت کا علم بلند کیا اور اس حق کی تائید میں دنیا بھر کی رائے عامہ کو متاثر کرنا شروع کیا۔ لیکن جب تک حق خودارادیت کے اصول کے مطابق رائے شماری عمل میں آکر تنازعہ کا فیصلہ ہوجائے تب تک قانون ساز اداروں میں جاکر ان کے سٹیجوں سے بھی اپنے موقف کے لئے جدوجہد کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ ۱۹۴۹ء میں ریاست کی طرف سے شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ

جناب مرزا محمد افضل بیگ۔ جناب مولانا مسعودی اور پنڈت موتی رام جی بیگڑا ہند کی آئین ساز مجلس میں بطور ارکان شامل ہوئے اور ہند کا آئین بنانے میں حصہ لیا اور اس میں دفعہ ۳۷۰ شامل کرانے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد جب پارلیمنٹ بن گئی تو اس کے بھی ممبر رہے۔ اس دوران میں انہوں نے آئین کی وفاداری کے حلف بھی لئے اور کشمیر کے حق خود ارادیت کے لئے لڑتے بھی رہے اور آج بھی اولذکر تینوں رہنما اسی حق کے لئے جدوجہد کرنے کی پاداش میں قید و بند کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ واقعات کشمیر کی حالیہ تاریخ کا حصہ ہیں اور یہاں کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے۔ اس مثال سے صاف ظاہر ہے کہ ریاست کے لوگوں کے لئے حق خود ارادیت کی جدوجہد اور مطالبہ رائے شماری کی تائید میں سعی و عمل اور آئین کا حلف لے کر اسمبلی یا پارلیمنٹ یا کسی اور قانون ساز ادارے میں جانے کے درمیان کسی طرح کا تضاد نہیں ہے اور ایسا پہلے بھی ہوا ہے اب بھی ہو سکتا ہے۔

مثال نمبر ۳ — ریاست جموں و کشمیر میں آزادی کی جدوجہد کا ایک بڑا حصہ ۱۹۳۱ء

سے ۱۹۵۰ء تک یہ ہی تھا کہ ریاست کا اندرونی نظام حکومت جو موروثی مہاراجگی اور شخصی حکمرانی کا تھا اس کو تبدیل کر کے جمہوری نظام قائم کیا جائے اور ریاست کا ہر بالغ اپنے حق رائے دہی سے جن نمائندوں کو چُنے وہی ایک مقررہ مدت تک عوام پر حکومت کر سکیں۔ تحریک آزادی اپنے اس مقصد میں کامیابی کی منزل تک ایک چھلانگ لگا کر نہیں پہنچی بلکہ مرحلہ مرحلہ طے کر کے آخری منزل تک پہنچی ہے۔ مثلاً کئی سال تک نیم منتخب اور نیم نامزد اسمبلی کا مرحلہ رہا۔ پھر وزارت میں نیم عوامی اور نیم مہاراجی وزیروں کا مرحلہ آیا۔ پھر ایمرجنسی اور ناظم اعلیٰ کا دور، اس کے بعد عوامی وزارت اور اس کے بعد کانسٹی چیونٹ اسمبلی اور آخیر میں مہاراجہ کی اور شخصی حکمرانی کا خاتمہ۔ اس ساری مدت میں ہمارے رہنما جدوجہد آزادی میں مصروف رہے۔ قربانیاں دیتے رہے۔ جیل جاتے رہے۔ لیکن اگر اس جدوجہد کو آگے بڑھانے کے لئے اسمبلی میں جانے کی ضرورت ہوئی یا قومی مصلحت وزارت لینے میں نظر آئی یا ناظم اعلیٰ کی ذمہ داریاں سنبھال لینا ہی تقاضائے وقت محسوس

ہوا تو آئین کا حلف لینے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ حالانکہ اُس وقت کے آئین کے مطابق جو حلف لیا جاتا تھا۔ اس میں "مہاراجہ بہادر اور اس کے خاندان کی وفاداری" کا اقرار شامل تھا۔ مگر سب جانتے تھے کہ یہ حلف جدو جہد کا راستہ نہیں روکتا۔ کیونکہ جدو جہد آئینی ہے اور آئینی جدو جہد سے ایک آئین کی ساری عمارت کو منہدم کر کے از سرِ نو تعمیر کیا جاسکتا ہے اور یہ بات دنیا کے جمہوریت کے مسلمات میں سے ہے۔ لہٰذا حلف کو اپنے راستہ کا پہاڑ بنا لینا سیاسی دانشوری کے خلاف ہے۔ کام کرنے والے راستہ کے نشیب و فراز کی پرواہ کے بغیر آگے بڑھتے ہیں۔

مزید وضاحت

آئین کا حلف اُٹھانا اور پھر اسی آئین کو تبدیل کرنا

یہ دونوں اقدامات ایک ہی راستے کی دو منزلیں ہیں اور اس کی مثالوں سے جمہوری تاریخ کے صفحات پر ہیں۔ مندرجہ بالا تین مثالوں کے علاوہ ایک اور روشن مثال ہندوستان کے موجودہ آئین کی اپنی مثال ہے۔ یہ آئین ۱۹۵۱ء کی ابتدا سے نافذ ہے اور

گزشتہ سولہ سال کی مدت کے دوران اس میں
۲۲
بائیس بار تبدیلیات و ترمیمات ہو چکی ہیں جس سے
اس کے کئی حصوں کی شکل ہی بدل چکی ہے۔ آئندہ
بھی اس میں ترمیمات ہوں گی اور اگر کشمیر مسئلہ پر
نمائندگان کشمیر اور ہندوستان و پاکستان کی
حکومتیں کسی ایسے فیصلے پر متفق ہو جائیں گی جو
آئین میں ترمیم کا تقاضہ کرتا ہوگا تو اس ترمیم
کو پیش کرنا اور پاس کرانا خود حکومت ہند کی
ذمہ داری ہوگی۔ لیکن یہ تب ہوگا جب قانون ساز
اداروں کے اندر اور باہر جدوجہد کر کے ہندوستان
اور پاکستان اور نمائندگان کشمیر ایسی کانفرنس
پر آمادہ کیا جائے کہ جو اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل
سے غور کرے اور کسی متفقہ، منصفانہ، باعزت
فیصلے پر پہونچے۔ جو شخص وجوہات بالا پر عقل
و ہوش کی روشنی میں غور کرے اس کا سیاسی
شعور اس کو یہی فتوے دے گا کہ قانون ساز
اداروں کے اندر جاکر یہ جدوجہد کرنے کے لئے
انتخاب لڑنا اور انتخاب لڑنے کے وقت آئین
کا حلف اٹھانا یہ سب کچھ لازم و ملزوم ہے

آئینی جدوجہد کا میدان

اس وضاحت کے بعد امید ہے کہ کسی با اخلاص حریت پسند انسان کے دل میں اگر آئین کے حلف کے بارے میں اگر کوئی خدشہ تھا تو وہ دور ہو جائے گا مزید اس سلسلہ میں ایک اور بنیادی حقیقت کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ہم لوگ خاص کر محاذ رائے شماری کی تنظیم سے وابستہ لوگ مسئلہ کشمیر کو آئینی جدوجہد کے ذریعہ ہی حل کرنے کے پابند ہیں۔

ہماری آئین کی پہلی دفعہ میں اس کا صاف لفظوں میں اقرار کیا گیا ہے اور اگلی دفعات میں بار بار "آئینی جدوجہد" کا تکرار کیا گیا ہے۔ آئینی جدوجہد کے دو ہی سٹیج ہیں۔ پہلا ہے عوامی سٹیج اور دوسرا ہے قانون ساز اداروں کا سٹیج

اگر ہم آئین کے حلف کو اپنے لئے سد راہ بنالیں تو ہم دوسرے مؤثر سٹیج سے ہی خود بخود دست بردار ہو جائیں گے اور اس طرح اپنی تحریک کے نصف

میدان کو پہلے ہی سے اپنے مخالفوں کے ہاتھ دیدینگے کوئی بھی باشعور انسان جو مسئلہ کشمیر کے حل ہونے کی بے تابانہ تمنا رکھتا ہو وہ ہرگز نہیں چاہے گا کہ ہماری جد و جہد کا میدان محدود اور تنگ ہوجائے خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنی پاکیزہ جدو جہد کے لئے صحیح لائنوں پر سوچنے کی عقل اور صحیح قدم اٹھانے کی توفیق دے۔

فقط والسلام

راقم

علی محمد نایک

جنرل سکریٹری

آل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری

مورخہ:- ۶ - فروری ۱۹۶۷ء